عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی
پر ایک نظر

نثار احمد☆

دنیا کے اچھے اور بڑے آدمی کی دو ہی باتیں قابل ذکر ہوتی ہیں اور اس کی ناموری کا باعث بنتی ہیں۔ ایک شخصیت کا نور اور سراپا کی جاذبیت اور دوسرے اس کی زندگی کی کارآمد مصروفیت اور نفع رسانی۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء-۱۴۲۳/۲۰۰۲ء) دونوں اعتبار سے اچھے اور بڑے آدمی تھے۔ ان کی بلند پایہ شخصیت ہر لحاظ سے قابلِ احترام اور سادگی و خاکساری کا مرقع تھی جبکہ ان کا علمی و تحقیقی کام ہر اعتبار سے انتہائی وقیع اور تعداد و جہات میں ناقابل شمار کہ جس کی نفع رسانی شرق و غرب میں ہر جگہ پہنچی۔ مزید برآں ان کی شخصیت اور کام دونوں کی رعنائیاں پوری بیسویں صدی پر پھیلی ہوئی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان کی سادہ و دلفریب شخصیت بھی اگرچہ ایسی ہے جس کا بیان قابل افتخار ہے۔ لیکن یہاں ہم اُن کے کام کی وسعتوں میں سے صرف ایک گوشہ پر بلکہ محض ایک مجموعۂ نگارشات پر نگاہ ڈالیں گے جس کا عنوان ہے عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی۔

عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی سیرتِ سیّدالرُّسلؐ کے حوالہ سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی وہ پہلی کتاب ہے جس کے مندرجات کی تشکیل ان کے ۲۷/۲۸ سالہ عہدِ طالب علمی[۱] کے اختتام (۱۹۳۵ء) پر شروع ہوئی اور چند سال کے تکمیلی مراحل کے بعد[۲] جب یہ (۱۹۴۴ء میں مکتبۂ جامعۂ ملیہ دہلی سے شائع ہوکر) منصۂ شہود پر آئی تو یہ اُن کے باوقار تعارف کا سبب بنی اور جو جہانِ سیرت نگاری میں یہ اُن کی شاندار آمد کا اعلان تھی۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس کتاب سے پہلے تصنیف و تالیف کا کوئی تجربہ انہیں حاصل نہ تھا یا تحریر و تحقیق کے میدان میں اجنبی تھے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے دورِ طالب علمی میں ہی صاحبِ تصنیف بن چکے تھے اور متعدد کتب و مقالات زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر ان کی بہترین صلاحیتوں اور علم و تحقیق کے اعلیٰ رجحانات کا ثبوت پیش کر چکے تھے[۳]۔ اوپر کا حوالہ دراصل ان کے ایک میدانِ اختصاص یعنی سیرت کے باب میں مذکور ہوا۔

☆ سابق صدرِ شعبۂ تاریخ اسلام و رئیسِ کلیۂ فنون، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

اس وقت ہمارے سامنے عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی کا وہ ایڈیشن ہے جو مکتبۂ ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن سے طبع دوم کی صورت میں نکلا۔ یہ ضخامت کے اعتبار سے کل ۳۲۰ (تین سو بیس) صفحات پر مشتمل ہے۔ مشمولاتِ کتاب کی فہرست درج ذیل ہے:

۱) رسول اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لیے کیا جائے (ص۵-۱۲)، نشریہ مجلسِ اشاعتِ سیرت، حیدرآباد دکن (۱۲ص)۔

۲) شہری مملکتِ مکّہ (ص۱۳-۷۵) بشمول نقشہ رحلۃ الشِّتاء والصّیف (ص۱۹)، نیز نقشہ شہر مکّہ (ص۲۳)، نقشہ مسجدِ حرمِ کعبہ (ص۳۵)، مطبوعہ معـــارف (اعظم گڑھ)، جنوری- فروری ۱۹۴۲ء۔

۳) دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور (ص۷۶-۱۱۱) مع اصل متنِ دستور (ص۱۰۰-۱۱۱) مطبوعہ مجلۂ طیلسیانین (حیدر آباد دکن)، جولائی۱۹۳۹ء۔

۴) قرآنی تصورِ مملکت (ص۱۱۲-۱۵۱)، مطبوعہ معارف (اعظم گڑھ)، دسمبر۱۹۴۱ء۔

۵) اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں (ص۱۵۲-۱۹۸)، مطبوعہ مجلّہ تحقیقاتِ علمیہ (جامعۂ عثمانیہ، حیدر آباد دکن)، ۱۹۳۶ء۔

۶) عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم (ص۱۹۹-۲۲۸)، مطبوعہ معارف (اعظم گڑھ)، نومبر۱۹۴۱ء۔

۷) جاہلیتِ عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکتِ اسلامیہ کے قیام پر (ص۲۲۹-۲۵۳)، مجموعہ مقالاتِ علمیہ، حیدر آباد دکن، اکادمی، ۱۹۴۳ء۔

۸) عہدِ نبوی کے سیاست کاری کے اصول (ص۲۵۴-۲۷۴)، مطبوعہ رسالہ سیـاست (حیدرآباد دکن)، جنوری۱۹۴۰ء۔

۹) تالیفِ قلبی (ص۲۷۵-۲۸۲)، مطبوعہ رسالہ نظامیہ (حیدر آباد دکن)، ربیع الأوّل ۱۳۵۷ھ۔

۱۰) ہجرت (ص۲۸۳ تا ص۳۰۲)، مطبوعہ رسالہ سیاست (حیدر آباد دکن)، جولائی ۱۹۴۰ء۔

۱۱) آنحضرتؐ اور جوانی (ص۳۰۳-۳۲۰)، نشریہ انجمنِ مسلم نوجوانانِ سکندرہ آباد، حیدر آباد دکن۔

مندرجہ بالا فہرست کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ کتاب کا مواد نیا نہیں ہے بلکہ پہلے سے شائع شدہ کتب اور متفرق مطبوعہ مقالات پر مشتمل ہے جنہیں از سرِ نو ایک کتاب کے قالب میں جمع کرکے ایک معرکۃ الآراء پیش کش بنادیا گیا ہے۔ جو مجموعی طور پر طبع زاد تحقیق کا نمونہ، نئی معلومات اور چشم کشا حقائق سے آراستہ، عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی، معاشی،

معاشرتی اور ثقافتی رجحانات کا عالمانہ تاریخی تجزیہ سامنے لاتی ہے۔ کتاب میں شامل تمام مضامین ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۳ء تک، سات (۷) سالوں میں منظرِ عام پر آئے۔

زیرِ نظر کتاب (عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی) کی ہیئت ترکیبی بجائے خود یہ ظاہر کررہی ہے کہ یہ کوئی مسلسل و مربوط تالیف نہیں ہے بلکہ الگ الگ عنوانات پر لکھے جانے والے مقالات (کتب) کا مجموعہ ہے۔ پھر کل گیارہ (۱۱) مضامین میں سے چھ (۶) مضامین کا مواد غالب طور پر حکومت و سیاست یعنی سیاسیات کے تعلق سے ہے جبکہ پہلا مضمون تمہیدی باتوں پر مشتمل اور مطالعۂ سیرت کی ضرورت بیان کرتا ہے۔ ایک مقالہ آنحضورؐ کی جوانی پر لکھا گیا ہے اور ایک اسلامی عدل گستری پر، ایک نظامِ تعلیم اور ایک معاشی نظام کے عنوان سے شامل ہے۔ ان مضامین میں کوئی زمانی و مکانی ترتیب بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ بنیادی طور پر تمام مضامین سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نہ کسی پہلو سے مربوط و متعلق ہیں۔ مقالات کا غائر مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ان میں سیرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بڑی بے شمار جزئیات وتفصیلات پائی جاتی ہیں جو اپنے مضامین اور دلائل کے تقاضوں کے تحت متفرق مقامات پر بکھری ہوئی ہیں لیکن مجموعی طور پر حیاتِ طیبہ کے واقعات و حالات قبل از بعثت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی، آپؐ کی مدنی زندگی اور مختلف حیثیتوں میں آپؐ کے لازوال کارناموں کو اجاگر کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان مضامین میں سنجیدہ ادق نکات اور محققانہ مباحث کے علاوہ حیات طیبہ کے ایسے سادہ واقعات بھی بکثرت پائے جاتے ہیں، جو قاری کے سامنے اسوۂ نبوی کو پیش کرتے ہیں اور آمادہ بہ عمل کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کتاب بیانِ سیرت کے عام روایتی اسلوب سے تو ہٹی ہوئی ہے لیکن مجموعی طور پر اس میں سیرت نبویؐ کا ہر جزو شامل و داخل ہے۔

اس کتاب میں شامل مقالات کی معرکۃ الآراء علمی وتحقیقی اور تاریخی افادیت و اہمیت کو اُس زمانہ میں (جنگ عظیم اوّل و دوم کے دوران) مسلمانوں کے مخصوص سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے پیش نظر زیادہ بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے جس زمانہ (۱۹۳۶ء-۱۹۴۳ء) میں ان مقالات کی نشر و اشاعت ہوئی۔ اہل علم اس سے واقف ہیں کہ مولانا شبلی (م:۱۹۱۴ء) اور مرکز شبلیات (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) نے سیرت نگاری میں نئے رجحانات کو جنم دیا تھا، جس کے نتیجہ میں فرسودہ روایات، قصے کہانیوں اور محض بیانیہ انداز کے بجائے عقل وفہم اور علم وتحقیق کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ اس وقت تک سرسید (م: ۱۸۹۸ء) کی کتاب الخطبات الأحمدیہ (اپنے مباحث کے اعتبار سے

ناتکمل)، مولانا شبلی کی سیرۃُ النّبیؐ (جو ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندویؒ (م: ۱۹۵۳ء) کے ہاتھوں تکمیل و طباعت کے مراحل سے گزری) اور قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوریؒ (م: ۱۹۳۰ء) کی رحمۃٌ لّلعالمین شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کرچکی تھیں۔ پروفیسر سید نواب علی (۱۸۷۷-۱۹۶۱ء) کی کتاب سیرتِ رسول اللہؐ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں نکلا اور مقبول ہوا۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے سیرت نگاری کے اس نئے علمی و عقلی اور تحقیقی رجحان کو نہ صرف یہ کہ تقویت دی بلکہ نئی جہات، نئے مطالعات سے آراستہ کرکے گویا اسے نیا اسلوب بخشا اور خود ہی اسے معراجِ کمال تک پہنچایا۔ اس پر مستزاد یہ کمال بھی دکھایا کہ قرآن، حدیث، فقہٗ اسلامی، قانونِ بین الاقوام اور علومِ اسلامی کے دوسرے شعبوں میں بھی بیک وقت تفکیر و تحقیقِ نو کے ایسے سنگِ میل قائم کرگئے کہ اپنے تو اپنے اعداء و اغیار بھی وا مرحبا پکار اُٹھے اور ان کی علمی دیانت، تحقیقی برتری، وسعتِ معلومات، کے قائل اور ان کے نتائجِ فکر سے متفق ہوگئے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں علمائے مغرب اور مستشرقین کے آگے ہم سخنی و ہمسری کے مرتبہ پر ان کے سوا کوئی دوسرا مسلمان عالم و محقق فائز نہ ہوسکا۔

بہرحال سیرت کے باب میں ان کی کتاب عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی ان کے مجتہدانہ کمالات کا نقشِ اوّل ہے۔ اس اجتہاد و کمال کی مطلوب صلاحیت و اہلیت ان میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ وہ سیدھے سچے مسلمان، اللہ کے نیک بندے، بےنفس و بےغرض، اسلام کے شیدائی، اجرِ آخرت کے طلب گار اور ایک دینی و علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد (خلیل اللہ) سے حاصل کی، مدرسہ دارالعلوم سے مولوی کامل کی سند لی، پھر جامعۂ نظامیہ سے درسِ نظامی کی سند کے بعد مولوی فاضل ہوئے۔ ایف اے، بی اے، ایم اے دینیات، ایل ایل بی، سب ڈگریاں جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے لے کر بیرونِ ملک سفر کیا اور ڈی فل، کی ڈگری بون۔ جرمنی اور ڈی لٹ کی سوربون۔ فرانس سے حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں وطن واپس آکر تحقیق و تدریس میں منہمک ہوکر دس سال گزار دیئے۔ اسی دوران وہ مقالات بھی سپردِ قلم کیے جو اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ اس تفصیل کا مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف علم و فضل کی ہر سند کے حامل، ظاہری و باطنی تمام خوبیوں سے مرصّع، اکثر زبانوں کے ماہر، نادر و نایاب مآخذ و مخطوطات کی تلاش و جستجو کے شوقین، اظہار و بیان اور تحریر و تسوید کے جدید طور طریقوں اور تکنیک سے واقف، احقاقِ حق کے لیے مسلسل کوشاں، مثبت طرزِ استدلال اور خدمتِ علم و آگہی کے جذبہ سے سرشار

تھے۔ اس لیے اللہ نے اُن کے علم میں بھی برکت عطا فرمائی اور عمر میں بھی۔ چنانچہ کوئی ایک صدی ان کی شمعِ حیات فروزاں رہی اور تابندگی پھیلاتی رہی۔ نیز دنیا کی آٹھ نو مختلف زبانوں پر ان کی مہارت و دسترس اور مختلف النوع مآخذ تک ان کی رسائی، ایسی منفرد خصوصیات ہیں جن کے سبب یہ ممکن ہوا کہ وہ سیرت اور اس کے متعلقات میں ایک تجدیدی قسم کا کارنامہ انجام دے سکیں اور تجدّد سے بھی اپنا دامن بچا سکیں۔

عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی کو ایک مربوط تالیف کے بجائے مجموعۂ مقالات کی حیثیت سے پیش کرنا اتفاقی امر نہ تھا بلکہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اسے دیدہ و دانستہ اسی صورت میں قابلِ ترجیح سمجھا۔ چنانچہ دیباچۂ طبع اوّل میں وہ خود رقمطراز ہیں کہ: "ایک تالیف کی جگہ ایک مجموعۂ مقالات سے ناظرین کو سابقہ ہوگا اور جن نتائج تک میں تاحال پہنچا ہوں وہ تصحیح و اصلاح کے لیے اہلِ علم کی خدمت میں پیش ہیں"(۳-ب)۔

یہ بیان ایک طرف تو ان کی طبعی خاکساری و فروتنی کا غماز ہے اور دوسری طرف وہ سیرت نگاری کے علمی و تحقیقی اسلوب میں ایک نئی جہت اور ایک نیا آہنگ پیدا کررہے تھے جو ان کے مغربی دنیا کے علم و تجربہ کا عکاس تھا۔ چنانچہ اسی علم و تجربہ سے گزرے ہوئے ایک ہم عصر محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر خالد علوی اس طرزِ نگارش کا جائزہ لیتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ: "[ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تصانیف عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی اور رسول اکرم کی سیاسی زندگی میں شامل] ہر مقالہ مستقل بالذات تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ تحقیق کا یہ اسلوب مغرب کا معروف اسلوب ہے، مغربی محققین کے ہاں تحقیقی مقالات کی حیثیت مصادرِ تحقیق کی رہی ہے۔ مقالات کے موضوعات اور ان کی تعداد ہمیشہ محققین کے مقام و مرتبہ کا پتہ دیتے ہیں۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے اسی اسلوب کو اپنایا اور مختلف اسلامی موضوعات پر قیمتی مقالات تحریر فرمائے جو اردو، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں چھپے اور ترکی اور فارسی میں تراجم بھی ہوئے"(۴)۔ اس نئے پن کو خود اُس زمانے میں بھی محسوس کیا گیا۔ چنانچہ معارف (اعظم گڑھ) کے نومبر ۱۹۴۱ء کے شمارہ میں عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم پر تبصرہ مدیرِ معارف (سید سلیمان ندوی) کے اس ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا کہ: "جناب ڈاکٹر حمیداللہ صاحب جو عالم بھی ہیں اور یورپ کی متعدد زبانوں سے واقف بھی ہیں اور خاص طور پر عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف نظامات کے معلومات جن کا خاص فن ہے وہ انگریزی میں مسلسل ان عنوانات پر مجلّہ اسلامک کلچر (حیدرآباد دکن) میں مضامین لکھ رہے

ہیں۔ اب انہوں نے اپنے اس سلسلہ کے چند مضامین کو حذف و اضافہ کے ساتھ دوبارہ اردو میں مرتب کرکے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ ان مضامین میں یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ یہ یورپی طرزِ خیال و ذہنیت کو سامنے رکھ کر لکھے گئے''(۵)۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے معارف بابت دسمبر ۱۹۴۱ء میں جب ''قرآنی تصورِ مملکت'' کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کا مضمون شائع کیا (جو زیرِ نظر کتاب عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی میں شامل ہے) تو مقالہ کے آغاز میں ایک تعارفی نوٹ میں یہ تحریر فرمایا: ''لائق مضمون نگار جامعۂ عثمانیہ میں قانونِ بین الممالک کے استاد ہیں اور دنیا کی مختلف قوموں کے تصورِ مملکت اور دستورِ حکومت پر ان کی نگاہ ہے، اس مضمون میں اسی نقطۂ نظر سے اسلامی تصورِ مملکت کو انہوں نے پیش کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں اسلامی تعلیمات اور اس کے نظام کو جدید طرز میں اس طرح پیش کرنا جو دوسری قوموں اور جدید طبقہ کے لیے قابلِ توجہ ہو ایک مفید خدمت ہے۔ یہ مضمون چونکہ اسی نقطۂ نظر سے اور ایک خاص طبقہ کو پیش نظر رکھ کر انگریزی میں لکھا گیا تھا اس لئے زبان اور طریقہ تعبیر میں اس کے ذوق کا لحاظ رکھا گیا تھا جس کی کچھ جھلک اس اردو مضمون میں بھی موجود ہے''(۶)۔

عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی بحیثیت ایک کتاب، جیسا کہ نام اور عنوان سے ظاہر ہے، سیرت کی ایسی عام کتاب نہیں جس میں بہ ترتیب زمانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح، یا حالات زندگی بیان کیے گئے ہوں بلکہ اس میں خصوصی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی و انتظامی کارناموں سے بحث کی گئی ہے۔ ان دونوں پہلوؤں پر بحث سیرت نگاری کی عام روش سے مختلف بھی تھی اور استنباط و استدلال کے لحاظ سے مشکل بھی، جسے نباہنے کے لیے علومِ اسلامی کے مختلف التوع مآخذ کے گہرے مطالعہ اور سیرتِ رسول کی کلّی معرفت ضروری تھی اور ڈاکٹر حمیداللہ ان دونوں حوالوں سے کامیاب و سرخرو نکلے ہیں۔ مطالعۂ سیرت کی، سیاسی اور انتظامی دونوں پہلوؤں سے، ضرورت و اہمیت کی توجیہ کرتے ہوئے (مقالہ نمبر ۱ میں) رقمطراز ہیں:

چنانچہ سیاسی پہلو کو لیجیے تو آپؐ نے دس سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب میں نراج (لاحکومتی) کی جگہ جہاں زیادہ تر خود سرخانہ بدوش قبائل میں خانہ جنگیاں ہی رہا کرتی تھیں، ایک مستحکم اور بڑی مملکت قائم کردی۔۔۔۔ بہ حیثیت منتظم و مدبر کے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے جہاں صحیح معنوں میں کبھی کوئی مملکت قائم ہی نہیں ہوئی تھی، اس کے باوجود جو دستورِ مملکت مرتب فرمایا اور جو نظامِ حکمرانی قائم فرمایا اس پر عمل دنیا کی اُس عظیم الشان مملکت کے لیے نہ صرف ہر طرح کارآمد ثابت ہوا بلکہ جب تک اس پر عمل رہا وہ دنیا کی مہذب ترین حکومت بنی رہی۔ اسے انسانیت کا دورِ زرّیں کہنا

مبالغہ نہیں (٦-ب)۔

کتاب میں شامل تمام مقالات کے عنوانات بادی النظر میں اگرچہ متفرق و منتشر معلوم ہوتے ہیں لیکن بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو سب میں گہری معنویت و مقصدیت پائی جاتی ہے۔ اور وہ سب نفسِ مضمون سے مربوط و متعلق ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی و انتظامی کارہائے نمایاں کا حصہ۔ مثلاً یہ جاننے اور سمجھنے کے لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریاست اور نظامِ حکمرانی عرب جیسی سرزمین پر قائم فرما کر جو محیّر العقول کارنامہ انجام دیا، جہاں پہلے کبھی کوئی ملک گیر حکومت و سلطنت قائم نہیں ہوئی تھی، (۷) تو اس کے دور میں استمدادِ ربانی کے علاوہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ کس طرح بارآور ثابت ہوئیں (۸)۔ یہ حقیقت جاننے کے لیے دیکھنا ہوگا کہ زمینی حقائق کیا تھے؟ عرب کی جغرافیائی اہمیت، اس کے باشندے، اس کے مرکز و محور شہرِ مکّہ (اسلام کا گہوارہ، آنحضورؐ کی جائے پیدائش، نافِ زمین)، شہر مکّہ کی خصوصیات (ایسا شہر جس پر قبضہ کے لیے تین ہم عصر شہنشاہوں میں رقابت چلی)، مکّہ کا سیاسی نظام، مذہبی نظام، نظامِ عدل، نظامِ سفارت، نظامِ فوج، سماجی نظام جاننا بھی ضروری ہے (۹) کیونکہ "مشیتِ ایزدی یہ ہوئی تھی کہ اب سے پورے پونے چودہ سو سال پہلے پرانی دنیا کے جغرافی مرکز (اور اس طرح نافِ زمین) یعنی مکّہ معظمہ میں انسان و خدا کے تعلقات میں ایک نئی مرکزیت پیدا کراکے اور عرب سے شروع ہوکر اسلام اقصائے عالم تک پہنچ جائے (۱۰)۔ اس لیے بھی کہ "شہر مکہ کے باشندوں نے اپنی شہری مملکت کے لیے ایک ترقی کناں دستور اسلام سے خاصا عرصہ قبل بنالیا تھا" (۱۱)۔ نیز یہ کہ جاہلیتِ عرب کے معاشی نظام میں پورے عرب میں سال بھر لگنے والے میلوں بازاروں کی صورت میں پائے جانے والے وفاق نے پہلی مملکتِ اسلامیہ کے قیام میں کسی حد تک حصہ لیا اور اتحادِ عرب کے لیے کس طرح فضا سازگار ہوئی (۱۲)۔ پھر ہجرتِ مدینہ کے بعد جب مملکتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تو اس کے لیے ایک دستور مقرر کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد آفریں کارنامہ تھا۔ "جس نے قبائلیت کی افراتفری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا اور ایک وسیع تر ادارے یعنی مملکت کی بنیاد ڈالی" (۱۳)۔

دستورِ مملکتِ مدینہ تحریری شکل میں ایک فرمان کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے چند ماہ بعد ہی جاری و نافذ فرمایا۔ اسے ڈاکٹر حمیداللہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "دستورِ مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریری صورت میں لانا اس کی نظیر باوجود بڑی تلاش کے مجھے عہدِ نبویؐ سے پہلے نہیں مل سکی، کسی مقتدرِ اعلیٰ کی طرف

سے نافذ کردہ مستند دستورِ مملکت کی حیثیت سے"(۱۳-ب)۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ: "زیرِ بحث دستاویز ایک معاہدے کی شکل نہیں رکھتی بلکہ ایک فرض اور ایک حکم کی صورت میں نافذ کی جاتی ہے"۔ یہ دستور یا دستاویز جسے "اسی دستاویز میں "کتاب اور صحیفے" کے نام سے یاد کیا گیا ہے جس کے معنی دستور العمل اور فرائض نامے کے ہیں۔ اصل میں یہ شہر مدینہ کو پہلی دفعہ "شہری مملکت" قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا"(۱۴)۔

مطالعاتِ سیرت میں یہ ایک بڑی اہم پیش رفت تھی۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے جس نوشتہ، دستاویز، کتاب، صحیفہ کو دستور مدینہ قرار دیا، اس وقت تک مصنفین اور سیرت نگار اسے "یہود مدینہ سے معاہدہ" لکھتے تھے بلکہ آج کے جدید دور میں بھی اسے مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے بالغ نظر عالم بھی "حضور کی تحریر اور یہود سے امن و امان کا معاہدہ" کا عنوان دیتے ہیں اور محض چار سطروں میں بیان ختم ہوجاتا ہے(۱۵)۔ ڈاکٹر صاحب کا مقالہ پہلی مرتبہ جولائی ۱۹۳۹ء میں مجلّہ طیلسانیین (حیدرآباد دکن) میں شائع ہوا۔ اس وقت تک مولانا شبلی رحمہ اللہ بھی اسے سیرۃ النبیؐ میں "مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ" قرار دے چکے تھے(۱۶)۔ مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری صاحب بھی اسے "معاہدہ" قرار دیتے ہیں مگر صرف یہود سے نہیں بلکہ مدینہ میں بسنے والی "جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر"(۱۷)۔ انہوں نے "جستہ جستہ فقرات" بھی ابن ہشام کے حوالہ سے مع ترجمہ نقل کیے ہیں(۱۸)۔ نیز گرد و نواح کے قبائل پر معاہدہ کی توسیع اور اس کے فوائد بیان کیے ہیں(۱۹)۔ پروفیسر سید نواب علی نے اپنی کتاب سیرتِ رسول اللہ میں اس موضوع سے تعرض ہی نہیں کیا(۲۰)۔ البتہ اصحُ السیَر کے مؤلف مولانا عبدالرؤف داناپوری مواخات اور تنظیم کے زیرِ عنوان بغیر کسی بحث کے رقمطراز ہیں: "اس کے بعد ایک بسیط تحریر آپؐ نے لکھوائی اس میں صراحتاً ظاہر کردیا گیا کہ اب آئندہ آپس کے تعلقات کیسے ہوں گے، مسلم کا غیر مسلم سے، یہود کا غیر یہود سے، انصار کا مہاجرین سے، مہاجرین کا انصار سے، ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ سے برتاؤ کیسا ہوگا اور کس کس کے حقوق کیا ہوں گے۔ ابن اسحاق نے اس صحیفہ سے پوری عبارت نقل کی ہے اور یہ اس وقت کے انتظام کے متعلق ایک مکمل دستاویز ہے"(۲۱)۔

دستورِ مدینہ، معاملاتِ مملکت چلانے کے لیے تھا لیکن مجموعی طور پر آپؐ نے سیاست کاری میں جن اصولوں کو مدنظر رکھا اس کا مفصل بیان ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مقالہ (نمبر۸) "عہدِ نبوی کے سیاست کاری کے اصول" میں دیا ہے(۲۲) اور لکھا ہے کہ "سیاستِ نبویؐ کے چند اصول عام

اور ہمہ گیر تھے''(۲۳)۔ نیز یہ وضاحت بھی فرمادی کہ ''اس سیاست کا مطالعہ صرف ایک عظمتِ ماضیہ کا مطالعہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی شخصیت کے کارناموں کا مطالعہ ہے جس کے ہر قول وفعل کو اب بھی دنیا کی چوتھائی آبادی اپنا قانون اور اپنے لیے اسوۂ حسنہ سمجھتی ہے''(۲۴)۔ تالیفِ قلبی، ان کے نزدیک عہدِ نبویؐ کی سیاستِ خارجہ کا اہم اصول (اور سیاست کاری کا حصہ) ہے(۲۵)۔ اس سلسلہ میں حنبلی امام ابو یعلی الفرّاء کی الأحكام السّلطانية سے ''المولفة قلوبهم'' کی تفصیل (ص۲۷۶-۲۷۷) اور سیرۃ النبی سے اس کے نظائر و امثال سے استدلال ڈاکٹر صاحب کے تبحرِ علمی کو ظاہر کرتا ہے(۲۶)۔

کتاب میں شامل مقالہ (نمبر۱۰) ''ہجرت'' محدود وقتی مفہوم نہیں رکھتا بلکہ سیاستِ نبوی کا اہم شعبہ اور وسیع تر اطلاقات سامنے لاتا ہے(۲۷)۔ ان کے نزدیک جلاوطنی، توطن اور تبادلۂ آبادی، جو قانونِ بین الاقوام اور بین الممالک سیاست میں روز افزوں اہمیت اختیار کرتے جارہے تھے (ص۲۸۳) مگر عہد نبوی کے حوالہ سے اس اہم تاریخی گوشہ پر اس وقت (۱۹۴۰ء) تک کوئی مطالعہ نہیں کیا گیا تھا(۲۸۴)۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے اپنی تحقیق وتفتیش سے موضوع کی نئی جہات کو متعارف کرایا(۲۸)۔ ان کے نزدیک ''ہجرت کے معنی صرف ہجرتِ مدینہ ہی کے نہ تھے بلکہ نومسلموں کا اسلامی علاقے میں آ آ کر اکٹھا ہونا اور مفتوحہ علاقوں میں مسلم نوآبادکاروں کا لے جاکر بسانا اسی نام سے یاد کیا گیا ہے''(۲۹)۔ عہدِ نبوی میں ہجرتِ وطن کا تاریخی مفہوم ترک وطن تھا (ص۲۸۷)۔ چنانچہ ہجرت ہائے حبشہ اور بیعت ہائے عقبہ کے حوالوں کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> لفظ ہجرت کے اس دوسرے مفہوم کے دو پہلو ہیں ایک تو وہی جو آج کل ''ملکی بننا'' (نیچرالی زیشن) کہلاتا ہے، یعنی جب ایک قومیت والا دوسری قومیت اختیار کرنا چاہے تو آخر الذکر ملک میں جاکر مقیم ہوجائے اور حتی الامکان اسی کا تمدن اور تخیل بھی اختیار کرے۔ چونکہ اسلام ایک خاص قسم کی اور مستقل قومیت ہے جو دیگر جغرافی، نسلی، لسانی اور رنگی قومیتوں سے جدا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اسلام اپنے گھر میں اپنے مخصوص اصولوں پر عمل چاہے گا۔ ......اس مفہوم کا دوسرا پہلو وہ پالیسی ہے کہ مسلمان اسلامی علاقے میں آ بسیں اور مرکز سے بچھڑے رہنے کے باعث نقصان نہ تو خود اٹھائیں اور نہ دیگر مسلمانوں کو پہنچائیں(۳۰)۔ ...... اس لیے مسلمانوں کا عہدِ نبویؐ میں یہ فریضہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ نہ صرف اسلام قبول کر کے اسلامی احکام پر چلیں بلکہ اسلامی علاقے میں بھی آ کر آباد ہوجائیں۔ اس طرح مسلمانوں کی اجتماعی قوت زیادہ ہوگی اور وہ اپنے حریفوں کا نسبتاً زیادہ آسانی کے ساتھ مقابلہ کرسکیں گے۔ غرض اولاً استحکام پھر توسیع کا اصول کارفرما رہا(۳۱)۔

کتاب کا آخری مقالہ (نمبر۱۱) ''آنحضرتؐ اور جوانی'' میں سیرت کے شخصی حالات کے

حوالے بھی اگرچہ موجود ہیں تاہم اس موضوع کو وہ سیاسی و اجتماعی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں[۳۲]۔ اس مقدمہ کے ساتھ کہ ''اسلام اور دنیا کی آقائی لازم و ملزوم ہے جو اصولِ اسلام پر عمل کرے گا وہ براجے گا اور جو اُن سے غفلت کرے گا مغلوب بلکہ نابود ہوگا'' [۳۲-ب]۔ وہ آگے لکھتے ہیں کہ:

> یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اسلام حقیقت میں رسولِ عربیؐ کی سیرت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے اگر کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اصولِ اسلام کیا ہیں تو اسے رسول عربی کی سوانح عمری، آپ کا عمل اور آپؐ کی تعلیم-انہیں تین چیزوں کو دیکھنا ہوگا اور یہ اس غرض کے لیے کافی ہیں[۳۲-ج]۔

اس کے بعد رقمطراز ہیں: ''قرآن مجید نے ایک اہم مظہرِ قدرت کو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ آدمی کیا ہے؟ ''اولاً ایک ضعف و کمزوری اور بے بسی کا نام ہے پھر قوت (جوانی) آتی ہے اور قوت کے بعد پھر کمزوری یعنی بڑھاپا چھا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کچھ کرنے کا زمانہ ان دو ''کمزوریوں'' کا درمیانی مختصر وقفہ یعنی جوانی ہی ہے۔ یہی دن ہیں جب آدمی کو آخرت کا توشہ کمالینا چاہیے اور تاریخ بتاتی ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جب بڑی شخصیتوں کے بڑے کارنامے انجام پائے۔ کسی بچے یا بوڑھے کھوسٹ نے آج تک نہ تو کوئی کارنامہ دکھایا اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے۔ اسی اصول کے تحت رسول کریم علیہ السّلام کی سوانح عمری کا وہ باب جو آغاز تا انتہائے جوانی سے متعلق ہے یہاں زیر بحث آتا ہے''[۳۲-د]۔

عدل و انصاف کو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو اہمیت حاصل ہے اسے ہر زمانہ میں اور ہر معاشرہ اور مملکت میں ناگزیر حیثیت حاصل رہی ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ کا مقالہ (نمبر۵) ''اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں'' مفصل طور پر عہدِ نبویؐ اور ماقبل و مابعد ادوار میں عدل و انصاف اور اس کے متعلقات پر جامع بحث کا حامل ہے[۳۳]۔ وہ تاریخی پس منظر پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''۶۱۰ء سے اسلام شروع ہوا، اس کے آغاز اور ترقی سے یہاں بحث نہیں البتہ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہجرت سے پہلے اور بعد، زندگی بھر اپنے پیروؤں کے لیے انتہائی اور اعلیٰ ترین عدالت کا کام دیتی رہی۔ لیکن ایک واقعی مملکت کی بنیاد ہجرت کے بعد ہی پڑی۔ ہجرت کرکے مدینہ آتے ہی آنحضرت نے فوراً اپنے عدالتی حقوق و فرائض کا تعین فرمادیا تھا''[۳۴]۔ ایک جگہ اس اہم دستاویز (سب سے پہلی اسلامی مملکت کا دستور اور آئین) کے عدالتی فقرات (دفعات) کی تحلیل کے بعد لکھتے ہیں: ''اس عظیم الشان اور انقلابی اصلاح کی جانب خصوصی دوبارہ اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ انفرادی انتقام جوئی کی جگہ مرکزی عدل گستری کا ادارہ وجود میں آگیا اور

یہ اختیار افراد ہی نہیں قبائل سے بھی چھین کر حکمرانِ وقت کے سپرد کیا گیا جو تفتیش اور غیر جانب داری کا پابند تھا۔ اس موقع پر یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ کم از کم اہل کتاب غیر مسلموں کے مقدموں میں آنحضرت صلعم ان کے شخصی قانون ہی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے"(۳۴-ب)۔ آگے رقمطراز ہیں:

"آنحضرتؐ کا یہ طرزِ عمل بعد میں مستقل قانون بن گیا کہ غیر مسلم رعایا اور مستامنوں سے ان کا شخصی قانون ہی متعلق ہو اور اس غرض کے لیے خصوصی عدالتیں بنائی جائیں۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ میں اس چیز نے خاصی ترقی کرلی تھی"(۳۴-ج)۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیغمبرانہ اور داعیانہ حیثیت اور اساسی نوعیت میں "معلم" ہی تھے اور اس حیثیت و حقیقت میں جو وسعت معلومات کتاب کے مقالہ (نمبر۶) "عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم" میں پائی جاتی ہیں(۳۵) وہ نہ صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر انقلاب کی بنیاد "علم" اور "تعلیم" پر ہی تھی، اور دنیائے جہالت کے خاص پس منظر میں پیدا ہونے والی تمام روشنی، تمام تبدیلیاں دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی "تعلیمی سیاست" کا ہی نتیجہ تھیں۔ آپؐ کی کتابِ زندگی کا ہر ورق "علم" کی روشنی سے ہی مستنیر ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء میں شائع ہونے والا یہ مقالہ گویا پوری کتاب میں مرکزی اور محیطی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب (مجموعۂ مقالات) کی چند اور خوبیاں بھی صاف دیکھی جاسکتی ہیں مثلاً:

(۱) زیرِ نظر کتاب کا کوئی مضمون/ مقالہ/عنوان سرسری نوعیت کا نہیں بلکہ جامع اور محققانہ ہے۔ موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا، اور تمام جزئیات و کلیات بیان کرنے کے ساتھ ہی اہم نکات کی نشاندہی اور مختلف نتائج کا استخراج و استنباط تمام مقالات کی مشترکہ خصوصیت ہے۔ یہ خصوصیت ان کے انتہائی طولانی مضمون ("شہری مملکتِ مکہ"، جو ۶۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور انتہائی مختصر تحریر "تالیفِ قلبی" کا عنوان جو محض سات(۷) صفحات پر مشتمل ہے، ہر جگہ یکساں نمایاں ہے۔

(۲) مآخذ و مصادر پر نظر اور ان کا برمحل استعمال ڈاکٹر صاحب کے مقالات کی ایک اور خصوصیت ہے۔ موضوع زیرِ بحث سے انصاف اسی وقت ممکن ہے جبکہ متعلقہ موضوع کے ابتدائی، ثانوی اور جدید بلکہ جدید ترین مآخذ و مصادر سامنے رکھے جائیں۔ ڈاکٹر حمیداللہ کے یہاں مآخذ و مصادر کا بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ وہ متقدمین علماء و محققین کی طرح تمام ابتدائی ضروری اسلامی مآخذ، قرآن، حدیث، فقہ، کلام، ادبِ جاہلیہ سے بھی بھرپور استفادہ کرتے ہیں، اور عربی، فارسی، اردو انگریزی اور دوسری علمی زبانوں (جرمنی، فرانسیسی، اطالوی، ترکی، وغیرہ) میں پائے جانے والے مآخذ

و مصادر، مخطوطات، دائرۂ المعارف وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ مطالعہ کی وسعت، متعدد زبانوں کی مہارت، جدید تحقیقی تکنیک پر عبور اور پتہ ماری کے ساتھ محنت اور تلاش و جستجو انہیں نئی باتوں کی دریافت اور نئی منزلوں تک پہنچادیتی ہے۔ موضوع سے متعلق مآخذ و مصادر کی بکثرت دستیابی مختلف سطحوں پر موازنہ بہم پہنچاتی ہے اور نتائجِ تحقیق کو زیادہ معتبر بنادیتی ہے۔ اس لیے ڈاکٹر خالد علوی کی یہ بات درست ہے کہ: ''ڈاکٹر حمیداللہ کے اسلوبِ تحقیق میں ایک خاص بات مصادر کا احاطہ ہے''[۳۶]۔

(۳) اس کتاب (عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی) کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تاریخی بیانات میں عمومی رواج کے برخلاف جابجا نقشوں سے کام لیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں تاریخ نویسی میں عام طور پر جغرافیہ سے کام نہیں لیا جاتا تھا، مؤرخین مصنفین تفصیلات بیان کرنے میں تو فراخدلی کا مظاہرہ کرتے اور روایت نقل کرنے میں بھی بخل سے کام نہ لیتے، لیکن واقعات کا محلِ وقوع اور جغرافیائی تعین نہ کرپاتے تھے، جس سے پڑھنے والے بھی فہم و ادراک سے محروم رہتے اور خود مؤرخ یا مصنف بھی غلطیاں کرجاتے تھے۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے تاریخ کو سمجھنے کے لیے جغرافیہ سے مدد لے کر گویا ایک نئے طرزِ نگارش کی ابتدا کی۔ چنانچہ سیرت نگاری میں بطورِ خاص نقشوں خاکوں کے پیش کرنے سے مقامات کی نشاندہی اور درست محلِ وقوع کے تعین سے حقائق کی معرفت دو چند ہوگئی اور بہت سی تاریخی غلطیوں کی اصلاح بھی ممکن ہوسکی۔ اس سلسلہ میں یہ کتاب اور اس میں شامل مقالات کی اشاعت سے بھی پہلے ۱۹۳۳ء میں سرزمینِ عرب کے مختلف تاریخی مقامات کا مشاہداتی سفر، زیارتِ حرمین اور عہدِ نبوی کے میدان ہائے جنگ کا ڈاکٹر صاحب کا اپنا بچشم خود مشاہدہ قابل ذکر ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان کی کتاب عہدِ نبوی کے میدان جنگ نے شہرت حاصل کی[۳۷] اور دوسرے مقالات و کتب کی تالیف و تدوین میں بھی ان اسفارِ علمی نے چار چاند لگا دیئے۔ اس قسم کے اسفارِ علمی کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہا[۳۸]۔ بہرحال عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی میں متعدد معرکۃ الآراء نقشے شامل ہیں۔ مثلاً قریش کے رحلۃ الشتاء والصّیف یا کاروانی راستے کا نقشہ (ص۱۹)، نقشۂ شہر مکّہ (ص۲۳)، نقشۂ مسجدِ حرم کعبہ (ص۳۵)، عربوں کے میلوں کی ترتیب زمانی و مکانی (ص۲۴۲)، نقشۂ دنیا (ص۲۵۶)، نقشۂ عرب (ص۲۵۷) وغیرہ[۳۹]۔

(۴) زبان و بیان کی بے تکلفی، اس کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت ہے۔ انتہائی سنجیدہ موضوعات اور انتہائی اعلیٰ تحقیقات کے باوجود زبان مشکل اور اندازِ بیان گنجلک نہیں۔ مثلاً شہری

مملکتِ مکّہ کے مذہبی نظام پر گفتگو کرتے ہوئے سقایہ کے بارے میں لکھا ہے:

سقایہ سے مراد کعبے کی زیارت کے لیے حج یا عمرے کے زمانے میں آنے والوں کو پانی پلانا اور عمارۃ البیت سے مراد حرم کعبہ کا عام انتظام کرنا تھا، ان دونوں چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے(التوبۃ، ۹:۱۹)۔ حجاج کو پانی پلانا مکّے میں بھی ایک منفعت بخش فریضہ ہوگا، کیوں کہ وہاں پانی کی عام قلت ہے اور زمزم کے کنویں کا مقدس پانی ہر حاجی کو بھی درکار رہتا ہوگا۔ پالمیرا میں ایک مماثل فریضہ کی انجام دہی سے سالانہ آٹھ سو طلائی اشرفیوں کی معقول آمدنی ہوجایا کرتی تھی (پالمیرا کے کتبوں پر شابو کی فرانسیسی کتاب، ص۳۰ بحوالہ مکّہ مؤلفہ لامنس)۔ غالباً مکّے کے باشندے خود اس سلسلہ میں کوئی فیس ادا کرنے سے مستثنیٰ رہتے ہوں گے[۴۰]۔

دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور'، ڈاکٹر صاحب کا ایک اور محققانہ مقالہ (نمبر۳) ہے۔ اسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سیاسی کارنامہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس طرح ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلموں وکثیر الاجناس آبادی کو ایک لچکدار اور قابل عمل دستور کے تحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہرِ مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا کہ وہ بعد میں ایشیا یورپ اور افریقہ کے تین بَرِّاعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہت کا بلاکسی دقّت کے صدر مقام بھی بن گیا[۴۱]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اس ریاست ومملکت کی بنیاد دراصل کسی جور و جبر، زبردستی، دھونس دھاندلی یا طاقت کے استعمال پر نہیں تھی۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کی یہ صراحت بہت اہم ہے کہ:

ہابس، روسو وغیرہ ''معاہدہ عمرانی'' کے نظریے کے تحت مملکت کا آغاز حاکم ومحکوم کے عمرانی معاہدے سے قرار دیتے ہیں۔ اس کی ایک بیّن اور واقعی مثال ہم کو بیعتِ عقبہ میں ملتی ہے جس میں مدینہ والوں نے آنحضرت صلعم کو اپنا سردار مانا، اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی اور آپ کے احکام کی تعمیل کا اقرار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ زیرِ بحث دستاویز ایک معاہدے کی شکل نہیں رکھتی بلکہ ایک فرض اور ایک حکم کی صورت میں نافذ کی جاتی ہے۔ چنانچہ سب لوگ جانتے ہیں کہ کتاب کے معنی فرض او حکم کے بھی ہیں: ان الصلاۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا؛ ان کتاب الابرار لفی علیین؛ کتب علیھم القتال ، وغیرہ میں لفظ ''کتاب'' اسی معنی میں برتا گیا ہے۔ جرمن لفظ Vorschrift اور فرانسیسی و انگریزی لفظ Prescription ہسپانوی Prescripcion (بمعنی فرض وحکم) کا مادہ بھی ''کتاب'' ہی کے معنی رکھتا ہے[۴۲]۔''

(۵) عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی بطورِ ایک کتاب موضوعاتِ سیرت پر ڈاکٹر

حمیداللہ صاحب کے آئندہ کے بہت بڑے کام (یا منصوبہ) کا مقدّمہ (یا جسے وہ جلد اوّل بھی قرار دیتے ہیں) یا نقشِ اوّل تھا جبکہ وہ پہلی مرتبہ مکتبۂ جامعہ (دہلی) سے شائع شدہ مقالات کے مجموعہ یا ایک واحد کل کی حیثیت سے شائع ہوئی(۴۳)۔ چنانچہ وہ خود رقمطراز ہیں کہ: ''اس جلد میں چند مضامین آئے ہیں آئندہ جلد یا جلدوں میں خدا نے چاہا تو کچھ اور پہلو ہوں گے''(۴۴)۔ مکتبۂ جامعہ کے بعد جب یہ کتاب مکتبۂ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن سے دوبارہ چھپی (اس وقت یہی ایڈیشن ہمارے سامنے ہے) تو پیش لفظ میں(۴۵) [اس صراحت کے بعد کہ کتاب آسان بھی نہیں ہے اس میں کم از کم پانچ سات زبانوں کے حوالے یا اقتباس ہیں ان وجوہ سے طباعتی غلطیاں معمول سے زیادہ ہوگئی ہیں جن کے لیے ناظرین سے بڑے ادب کے ساتھ معافی چاہی جاتی ہے پھر (غلط نامہ بھی شامل کتاب کیا ہے)] یہ لکھا کہ: ''یہ پہلی جلد ہے دوسری جلد میں عہدِ نبوی کے نظام ہائے مالیہ، فوج و اہل ذمہ اور بعض دیگر متفرقات مثلاً بین الاقوامی عصبیتوں کو کم کرنے کی تدبیریں وغیرہ شامل ہوں گی۔ اس کا کچھ حصہ متفرق طور پر علمی رسالوں میں شائع بھی ہوچکا ہے''۔ پھر لکھتے ہیں: ''ان کی ایک رفیق جلد'' رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی ہے''...... نیز لکھا: ''البتہ جغرافیۂ سیرت ابھی ذہن ہی میں ہے...... شاید خدمتِ سیرتِ نبویہ کی آئندہ کوئی اور چیز بھی ذہن میں آئے''(۴۶)۔

چنانچہ بعد میں اپنی خواہش، نیت اور منصوبہ کے مطابق وہ سیرت کے مختلف النوع موضوعات و متعلقات پر زندگی بھر لکھتے رہے۔ اور اتنا کچھ کام کرگئے کہ بعض ادارے بھی ان کی برابری نہیں کرسکتے۔ سیرت میں بھی علومِ اسلامی کے دوسرے شعبوں کی طرح ان کا کام درجۂ اختصاص رکھتا ہے(۴۷)۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق تین میدان خاص ہیں: ایک اسلام کے قانونِ بین الاقوام کی تدوینِ نو، دوسرے تاریخ علم حدیث میں کئی جہتوں کی دریافت اور سیرتِ رسول کی تدوین نو۔ پھر سیرت پر ایسے ایسے گوشے محققین کے سامنے رکھے جن پر متقدمین نے کلام نہیں کیا تھا(۴۸)۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تصنیف و تالیف کا جو سلسلہ عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی سے شروع ہوا تھا وہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں برابر آگے بڑھتا رہا، اور نہ صرف اردو، عربی، انگریزی بلکہ دنیائے مغرب کی دوسری زبانوں میں بھی وہ آخر تک برابر لکھتے رہے۔ ۱۹۵۹ء میں سب سے زیادہ مفصل کتاب انہوں نے فرانسیسی میں تحریر فرمائی، جو ان کی پچھلی تمام تحقیقات کی جامع اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور کارناموں پر مشتمل ہے(۴۹)۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ کتاب کی پہلی جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی، مقاصد بعثت اور سیاسی

و مذہبی معاملات پر مشتمل ہے(۵۰)۔ پہلی جلد اسلوب اور مواد کے اعتبار سے بنیادی طور پر تاریخی نوعیت کی ہے جبکہ دوسری جلد میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور پیغام سے متعلق دقیق مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ مزید برآں عہدِ نبوت کے معاشی اور سماجی معاملات کو بھی شرح و بسط کے ساتھ یکجا کردیا گیا ہے(۵۱)۔ یہ کتاب ان کی سیرت سے متعلق معلومات اور تحقیقی نتائج کی بہترین مظہر ہے۔

ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کی کتاب عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی اور اس کی رفیق جلد یعنی رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی بطور خاص سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں اعلیٰ ترین درجہ کی ایسی عالمانہ ومحققانہ کاوشیں ہیں جو دراصل مولانا شبلی علیہ الرحمۃ کے تصنیفی منصوبہ کے اُس حصہ کی تکمیل کا باعث ہیں جو سیرۃ النبیؐ کی تصنیف کا "پانچواں حصہ" تھا اور جس کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ:

> پانچواں حصہ خاص یوروپین تصنیفات کے متعلق ہے، یعنی یورپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایۂ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات میں وہ کیونکر غلطیاں کرتے ہیں؟ مسائلِ اسلام کے سمجھنے میں اُن سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات یا مسائلِ اسلام پر جونکتہ چینیاں کی ہیں اُن کے جوابات(۵۲)۔

یہ پانچواں حصہ بجائے خود بہت اہم، ضروری، محنت طلب اور مغربی علوم و معارف پر کامل دستگاہ اور مستشرقین کے علم وتحقیق کی حقیقت جاننے کے ساتھ ساتھ اُن کے مدلل و مسکت جواب کا انتظام چاہتا تھا۔ لیکن افسوس کہ سیرۃُ النّبی کے منصوبہ کی تکمیل سے پہلے ہی مولانا شبلی رحمہ اللہ وفات پاگئے جبکہ سیرۃ النبی کا کوئی حصہ زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکا تھا اور ہنوز مسوّدہ کی شکل میں تھا۔ پھر جب مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے مولانا شبلی کی وصیت کے مطابق سیرۃ النبیؐ کی تکمیل کا زندۂ جاوید کارنامہ انجام دیا اور پوری دنیائے علم و ادب میں دھوم مچادی تب بھی متذکرہ بالا پانچواں حصہ نہ لکھا جاسکا۔

معارف (اعظم گڑھ) اور دارالمصنفین کے ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیرت کی آخری جلد جو مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں لکھنے کا پروگرام تھا، اس کے بارے میں سیّد صاحب اور رفقاء کی نظریں جس شخصیت پر مرکوز تھیں وہ ڈاکٹر حمیداللہ ہی تھے۔ چنانچہ دارالمصنفین کے ایک دیرینہ رفیق جناب ابوعلی عبدالباری رقم طراز ہیں: "سیرت کی آخری جلد جو یورپ کے مستشرقین کی غلط

بیانیوں کی اصلاح کے لیے مخصوص تھی اس کے لیے ہماری (دارالمصنفین کی) نظر ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب (پیرس) پر پڑتی تھی۔ وہ یورپ کی قریب قریب تمام زبانوں سے واقف ہیں اور ان زبانوں میں وہ برابر لکھتے رہتے ہیں۔ وہ ہندوستان کی بھی اکثر زبانوں سے واقف ہیں اور ان زبانوں کو بھی اپنے اظہارِ خیال کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ سیرت، حدیث اور قبل از اسلام کی تاریخ ان کا خاص موضوع ہے"(۵۳)۔ پھر بعد کے ایک دو اور واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے سیرت النبیؐ کی آخری جلد کے لیے ڈاکٹر محمد حمیداللہ سے فرمائش کی تھی۔ سید صاحب نے کسی خط میں یا ملاقات میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک خاکہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کو بھیجا تھا یا بتایا تھا(۵۴)۔

مگر افسوس کہ سید صاحب کی فرمائش اور تجویز ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کی خاکساری اور تکلف کے سبب روبہ عمل نہ آسکی اور سیرۃ النبیؐ کا موعودہ پانچواں حصہ ایک شاہکار تصنیف کی شکل میں دارالمصنفین کی طرف سے شائع نہ ہوسکا۔ کہ یہ قضا و قدر کے فیصلے تھے مگر ہاں اس کی تلافی کی شکل یہ پیدا ہوگئی کہ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب اپنی تصانیف، مقالات اور تحقیق و دریافت کے ذریعہ مولانا شبلی کے خواب کی تعبیر کو پنی انتھک کاوشوں سے عملی جامہ پہناتے رہے۔ یورپین تصنیفات کی تعقیب، مغربی علماء کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالہ، اعتراضات کے جواب، مستشرقین کے حملوں کے دفاع اور اسلام کی برتری و حقانیت کے اثبات اور چہرۂ سیرت کو پھر سے تابناک بنانے کے لیے وہ تن تنہا ڈٹ گئے اور مختلف محاذوں پر مختلف زبانوں میں اتنا کچھ تعمیری کام کرگئے جو انہیں شہرت و بقائے دوام عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔ بہرحال ڈاکٹر حمیداللہ کی متذکرہ بالا مثبت علمی تحقیقی خدمات کی جگہ جگہ جھلکیاں نہ صرف ان کی کتاب عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی میں دکھائی دیں گی بلکہ اس کی رفیق جلد رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی میں بھی نظر آئیں گی اور دوسری نگارشات بھی اس پہلو سے قابلِ ذکر مواد کی حامل ہیں۔ مثلاً زیرِ نظر کتاب میں شامل مقالہ "شہری مملکتِ مکہّ" ڈاکٹر صاحب موصوف نے دسمبر ۱۹۳۷ء میں مغربی کیمپ میں بیٹھ کر ٹریونڈرم اورینٹل کانفرنس میں پیش کیا(۵۵)۔ اور مقالہ کا منشا یہ بتایا کہ: "علمی دنیا کو ایک ایسی زرخیز زمین کی تحقیق کے لیے متوجہ کیا جائے جسے اب تک بالکل ہی نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔ اسلام نے جس حیرت انگیز تیزی سے توسیع

حاصل کی اور اُس کے آغاز ہی میں شہری مملکتِ مکّہ کے ''غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ'' باشندوں سے جتنے غیر معمولی طور سے قابل مدبّر پیدا ہوئے، وہ ایسے حقائق ہیں جن کے کچھ نہ کچھ پس منظر کا ہونا ناگزیر ہے''(۵۶)۔ انہوں نے اپنا طویل ترین مقالہ پوری جرأت سے اجنبی سامعین اور بے رحم ناقدین کے سامنے رکھا اور آخر کار داد حاصل کی۔ ان کا ایک اور ناقابل فراموش مقالہ ''دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور'' (ص۷۶-۱۱۱) کی بحث اسلامی و غیر اسلامی مآخذ سے مزیّن اور اصل متن سے مُرصّع ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کا اسلوبِ بیان اور طرزِ استدلال بڑا مؤثر اور دلآویز ہے۔ وہ مناظرانہ رنگ کبھی اختیار نہیں کرتے نہ تند و تیز جملوں اور کج بحثی سے کام لیتے ہیں۔ وہ اپنا موقف دلائل اور وقار کے ساتھ پیش کردیتے ہیں۔ مغربی علماء اور مستشرقین کے اعتراضات کا جواب اور تسامحات پر گرفت اُسی ٹھنڈے انداز سے کرتے ہیں۔ مثلاً ''عہد نبویؐ میں نظامِ تعلیم'' کے تحت لکھتے ہیں: ''اور جب 'وحدت اور حرکت کے مذہب' یعنی اسلام نے ان کی توانائیوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور اس طرح ان میں مزید قوت پیدا کردی تو یہی عرب اس قابل ہوگئے کہ پوری دنیا کو مبارزت دیں اور وقت واحد میں اس وقت کی دونوں عالمگیر شہنشاہتوں یعنی ایران اور روم (بیزنطیہ) سے جنگ کریں''(۵۷)۔ پھر لکھتے ہیں: ''میں نے اپنے بعض مقالوں میں کسی قدر تفصیل سے بتایا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی عربی خانہ جنگیاں عربوں کے کردار کو بنانے اور ان میں حیرت انگیز قوت برداشت اور دیگر اعلیٰ مُہمات پسند قابلیتیں پیدا کرنے میں مُمد و معاون رہیں، جن پر خود نپولین کو رشک تھا'' (۵۸)۔

مختصر یہ کہ یہ کتاب (عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی) اپنی ضخامت اور قد و قامت میں کتنی ہی چھوٹی اور مختصر کیوں نہ ہو، اپنی قدر و قیمت، علمی و تحقیقی اہمیت اور مواد کی عظمت کے لحاظ سے بہت بڑی ہے۔ یہ کتاب محترم ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب مرحوم و مغفور کے، بسلسلہ سیرت عظیم الشان کام کی بہترین نمائندہ اور ان کی علمی و تحقیقی فتوحات کا بہت خوب نمونہ ہے۔ اس کتاب نے، اس کی رفیق جلد (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی) اور ان کے دیگر کتب و مقالات نے برِصغیر کے علمی حلقوں پر بہت اثر ڈالا۔ اُن کی سادہ و دلنشین تحریروں نے سیرتِ نبویؐ میں واقعاتی اور سوانحی اندازِ بیان کے بجائے علمی و تحقیقی مطالعات کا رجحان پیدا کیا۔ مغربی علماء و مستشرقین اور ناقدین

کے پیداکردہ شبہات و اعتراضات بلکہ ہفوات و خرافات کو انہوں نے علم و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر، اُنہیں کے معیار پر تاریخی دلائل اور مثبت فکر کے ساتھ بے اثر کر کے رکھ دیا اور بحیثیتِ مجموعی اسلام کی آفاقیت اور پیغمبرِ اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا۔ یہ اُن کی ایسی زبردست خدمات ہیں جن کے سبب انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

تعلیقات و حواشی

1) ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب یوں تو زندگی بھر اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھتے رہے، لیکن عام معروف معنوں میں ان کا دورِ طالب علمی ۲۷/۲۸ سالوں پر محیط ہے۔ ان کی ولادت ۱۶محرم۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹فروری۱۹۰۸ء کو ہوئی اور وفات ۱۳ شوال۱۴۲۳ء مطابق ۱۷دسمبر۲۰۰۲ء کو ہوئی۔ سوانحی تفصیلات کے لحاظ سے انہوں نے میٹرک (مدرسۂ دارالعلوم-حیدر آباد دکن) سے ۱۹۲۳ء میں، مولوی فاضل کی سند ۱۹۲۴ء میں پھر ایف.اے، بی.اے جامعہ عثمانیہ سے کیا اور پھر وہیں سے ۱۹۳۰ء میں ایم.اے دینیات کی سند لی اور اسی سال ایل.ایل.بی کی ڈگری (۱۹۳۰ء) حاصل کی۔ بیرون ملک سفر ۱۹۳۱ء میں کیا۔ ۱۹۳۳ء میں ڈی.فل کی ڈگری بون (جرمنی) سے اور ڈی.لٹ کی سند سوربون (فرانس) سے ۱۹۳۵ء میں حاصل کی اور اسی سال حیدرآباد دکن آکر بحیثیت استاد جامعۂ عثمانیہ سے وابستہ ہوگئے (اس وقت ان کی عمر ۲۷، ۲۸ سال تھی)۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: طارق مجاہد (مرتب)، "شخصیت-خاکہ"، ماہنامہ فکر و نظر - ڈاکٹر محمد حمیداللہ-خصوصی اشاعت (اسلام آباد)، جلد ۴۰، ۴۱ شمارہ ۴'۱(۲۰۰۳ء)،ص۱۳-۱۶۔

2) یہ کتاب (عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی) ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کے گیارہ متفرق مقالات کا مجموعہ ہے جو اگرچہ مختلف اوقات میں مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے تاہم اس کتاب میں جمع کردیے گئے ہیں۔ ان مضامین میں سب سے زیادہ طوالانی "شہری مملکت مکہ" (ص۱۳-۷۵) ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ سب سے مختصر "تالیفِ قلبی" ہے جو صرف سات صفحات پر (ص۲۷۵-۲۸۲) پھیلا ہوا ہے۔ بہ اعتبار زمانی سب سے قدیم مضمون "اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں" ہے جو ۴۶ صفحات پر (ص۱۵۲-۱۹۸) مشتمل ہے اور جو مجلہ تحقیقات علمیہ (جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن) ۱۹۳۶ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ جبکہ سب سے آخر میں شائع ہونے والا مضمون بھی اس کتاب میں شامل ہے جو "جاہلیتِ عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکتِ اسلامیہ کے قیام پر" کے عنوان سے، مجموعہ مقالات دکن کی ۱۹۴۳ء میں زینت بنا (دیکھیے: اصل کتاب-عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی ،مکتبہ ابراہیمیہ ، دکن طبع دوم، ص۲۲۹-۲۵۳)۔ اس کتاب کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن مکتبۂ جامعہ، دہلی سے بالترتیب ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۶ء میں نکلا جبکہ دو اشاعتیں مکتبہ ابراہیمیہ دکن سے ہوئیں۔ پاکستان میں اردو اکیڈیمی سندھ کراچی نے ۱۹۸۱ء میں اور اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع کیے۔

3) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے اپنے بیان کے مطابق انکا پہلا مضمون ۸ جولائی۱۹۲۸ء کوہفت روزہ نونہال (لاہور) میں "مدراس کی سیر" کے عنوان سے شائع ہوا (دیکھیے: ماہنامہ فکر و نظر (اسلام آباد)، ڈاکٹر حمیداللہ نمبر، ص۴۰۸، حاشیہ نمبر۷، بحوالہ محمد صلاح الدین، "مدیر تکبیر کا ڈاکٹر صاحب سے دورۂ فرانس میں انٹرویو"، ہفت روزہ تکبیر ۶ فروری۱۹۹۲ء،ص۱۰۔ علاوہ ازیں عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی سے قبل اُن کی کم از کم چار(۴) کتابیں: ۱- رومی اور اسلامی ادارۂ غلامی؛ ۲- عہدِ نبوی کا نظام تعلیم؛ ۳-

عربی حبشی تعلقات ؛ اور ۴- الوثائق السیاسیۃ کے نام سے شائع ہوچکی تھیں اور ان پر معارف (اعظم گڑھ) میں بالترتیب جون ۱۹۳۱ء، اکتوبر ۱۹۴۲ء اور جنوری ۱۹۴۳ء میں تعارف و تبصرہ اشاعت پذیر ہوچکا تھا۔ جبکہ آٹھ مقالات بھی ۱- یوربی الفاظ و اعلام کا اردو املا؛ ۲- آنحضرت کا خط قیصرِ روم کے نام؛ ۳،۴- عربوں کی جہازرانی پر استدراک؛ ۵-عہدِ نبویؐ کا نظام تعلیم؛ ۶-قرآنی تصورِ مملکت ؛ ۷-عہدِ نبوی کے عربی ایرانی تعلقات اور؛ ۸- تقویم جلالی اسلامی شمسی کیلنڈر'' کے عنوانات سے بالترتیب اگست ۱۹۳۱ء، جون ۱۹۳۵ء، مئی-جون ۱۹۳۶ء، نومبر ۱۹۴۱ء، دسمبر ۱۹۴۱ء، جولائی ۱۹۴۲ء اور دسمبر ۱۹۴۳ء میں شائع ہونے والے معارف (اعظم گڑھ) کے شماروں کی زینت بنے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حافظ محمد سجاد، ''ڈاکٹر محمد حمیداللہ اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ''، فکر و نظر (اسلام آباد)، ڈاکٹر حمیداللہ نمبر، ص ۳۷۴ -۴۱۰۔

۳-ب) حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۵۔

۴) ڈاکٹر خالد علوی، ''ڈاکٹر حمیداللہ کی خدماتِ سیرت''، فکر و نظر (اسلام آباد)، ڈاکٹر حمیداللہ نمبر، ص ۱۳۴۔

۵) حافظ محمد سجاد، ''ڈاکٹر محمد حمیداللہ اور ماہنامہ معارف- اعظم گڑھ''، ص ۳۷۷-۳۷۸۔

۶) ایضاً، ص ۳۷۹۔

۶-ب) حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۸-۹۔

۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی کے (مقالہ نمبر ۴ قرآنی تصورِ مملکت'' کے) تحت لکھتے ہیں: ''جزیرہ، نئے عرب اسلام سے پہلے کبھی ایک اقتدار کے تحت متحد نہیں ہوسکا تھا اور یہ ایک انوکھا اور عجیب و غریب واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد صلعم کو متحدہ طور سے اپنا روحانی اور سیاسی سردار تسلیم کرلیا۔ جس ملک میں نراج کا دور دورہ ہو وہاں دس ہی سال کی کوشش میں ایک مرکزیت اور نظام قائم کردینا رسول کریم صلعم کا عظیم الشان کارنامہ تھا'' (دیکھیے: ص ۱۱۲)۔

۸) مقالہ نمبر ۷ ''جاہلیتِ عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام پر'' کی تمہید میں ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں: ''عہد نبوی میں جو پہلی اسلامی مملکت قائم ہوئی اس کے بیسیوں اسباب تھے اخلاقی بھی سماجی بھی سیاسی بھی معاشی بھی اور ظاہری طور پر اس تحریک کی کامیابی میں جہاں سرورِ کائنات پیغمبر اسلام کی قابلیتوں اور کوششوں کو دخل تھا وہیں ان آلوں اور ہتھیاروں میں بھی صلاحیت کی ضرورت تھی جن سے رسول کریم کو کام لینا تھا''، (دیکھیے: ص ۲۲۹)۔

۹) دیکھیے: مقالہ نمبر ۲ 'شہری مملکتِ مکہ''، ص ۱۳ و مابعد، نیز دیکھیے: ص ۲۳۶، ۲۵۹۔

۱۰) حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۲۲۹۔

۱۱) ایضاً، ص ۱۵۔

۱۲) ایضاً، ص ۲۲۹ و مابعد، نیز دیکھیے: ص ۲۴۳۔

۱۳) ایضاً، ص ۸۴۔

۱۳-ب) حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۷۶-۷۷۔

۱۴) ایضاً، ص ۸۲-۸۳۔ تفصیلی بحث مع متنِ دستور کے لیے ملاحظہ ہو: مقالہ نمبر ۳ (ص ۷۶-۱۱۱)۔

۱۵) ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، کراچی: مجلس نشریات اسلام، 1981ء،

ج ۱، ص ۱۹۸۔

۱۶) مولانا شبلی، سیرۃ النبی، لاہور دینی کتب خانہ، لاہور: ۱۹۷۵ء، ج ۱، ص ۲۸۲-۲۸۴۔

۱۷) قاضی محمد سلیمان، منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۳ء، ج ۱، ص ۱۲۸۔

۱۸) ایضاً، ص ۱۲۸-۱۲۹۔

۱۹) ایضاً، ص ۱۳۰۔

۲۰) پروفیسر سید نواب علی، سیرت رسول اللہ، کراچی: مکتبۂ افکار، ۱۹۶۶ء (اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا)۔ پروفیسر صاحب نے یہود پر مفصل بحث کی ہے (ص ۱۶۰-۱۷۴) لیکن دستور مدینہ/ میثاق مدینہ/ منشور مدینہ یا کسی صحیفہ، معاہدہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۲۱) مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر فی ہدی خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم، کراچی: نور محمد اصح المطابع (ت ۔ ن)، ص ۱۱۱۔

۲۲) حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۲۵۴-۲۷۴۔

۲۳) ایضاً، ص ۲۶۱۔

۲۴) ایضاً، ص ۲۵۵۔

۲۵) ایضاً، ص ۲۷۵۔

۲۶) ایضاً، ص ۲۷۸-۲۸۲۔

۲۷) دیکھیے: ایضاً، ص ۲۸۳-۳۰۲۔

۲۸) ایضاً، ص ۲۸۴۔

۲۹) ایضاً، ص ۲۸۶۔

۲۹-ب) ایضاً، ص ۲۸۹۔

۳۰) ایضاً، ص ۲۹۰۔

۳۱) ایضاً، ص ۲۹۱۔

۳۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ایضاً، ص ۳۰۳-۳۲۰ (اختتامِ کتاب)۔

۳۲-ب) ایضاً، ص ۳۰۴۔

۳۲-ج) ایضاً، ص ۳۰۴۔

۳۲-د) ایضاً، ص ۳۰۵۔

۳۳) ایضاً، ص ۱۵۲-۹۸۔

۳۴) ایضاً، ص ۱۶۳۔

۳۴-ب) ایضاً، ص ۱۶۶۔

۳۴-ج) ایضاً، ص ۱۶۷۔

۳۵) ایضاً، ص ۱۹۹-۲۲۸۔ ڈاکٹر صاحب ایک جگہ رقمطراز ہیں: "ایک نئے دین کے قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی ضرورتوں کو پورا کرسکے۔ عہدِ نبوی کے اختتام پر حکومتِ اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے

اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی' (ص۲۲۴-۲۲۵)۔

۳۶) ماہنامہ فکر و نظر (ڈاکٹر حمیداللہ نمبر)، ص۱۲۴۔

۳۷) ''عہد نبوی کے میدانِ جنگ'' سب سے پہلے ۱۳۵۹ھ میں مجموعۂ تحقیقاتِ علمیہ جامعۂ عثمانیہ میں ایک طویل مضمون کی حیثیت سے شائع ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی کچھ کاپیاں الگ بھی چھاپی گئیں۔ آج سے ستر(۷۰) سال پہلے سعودی عرب کے ان علاقوں کا سفر جبکہ جدید زمانہ کی سہولیات بھی حاصل نہیں تھیں انتہائی دشوار گزار تھا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جذب و شوق کے کن سخت امتحانوں سے گزر کر وہ مراحل طے کیے ہوں گے۔ بہرحال عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی کے طبع ثانی کے وقت (۱۹۴۹ء) تک عہد نبوی کے میدان جنگ، کئی بار چھپ چکی تھی۔

۳۸) ڈاکٹر صاحب کے اسفارِ علمی کا سلسلہ عہدِ حاضر میں بھی جاری رہا۔ ایک سفر جو خالص علمی نوعیت کا تھا ڈاکٹر صاحب کے عشقِ رسول کا غماز بھی ہے۔۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر صاحب سعودی حکومت کی دعوت پر وہاں سعودی عرب آئے اور ظہران کی پیٹرولیم یونیورسٹی اور دوسرے اداروں میں لیکچر دینے کے علاوہ قطیف بھی گئے۔ قطیف کے سفر کا مقصد ایک چھوٹی بستی ''زارہ'' کا دورہ تھا جو قطیف سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اور مشہور گاؤں عوامیہ سے ملحق تھی۔ یہ بستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت سے پہلے کے ایک تجارتی سفر کی یادگار تھی۔ چنانچہ آنحضورؐ کے ''زارہ'' کے چشمہ کے پاس قیام کا ذکر ایک روایت (مُسندِ احمد، حدیث ۱۷۱۶) میں آیا ہے۔ چشمے کے پاس ہی ایک مسجد عثمانی ترکوں نے تعمیر کردی ہے۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب (ڈائریکٹر جنرل ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) کو اس سفر میں ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کی معیت کا شرف حاصل ہوا (دیکھیے: ظفر اسحاق، انصاری ''ڈاکٹر محمد حمیداللہ: مشاہدات و تاثرات''، فکر و نظر (ڈاکٹر حمیداللہ نمبر)، ص۲۵-۲۶۔ جن صاحب سے انہوں نے مساحت اور نقشہ کشی کے اصول و مبادی سیکھے اور اسفارِ علمی میں نقشے اتارنے کا جنہوں نے مشورہ دیا تھا وہ اسکاؤٹ ماسٹر مولوی موسیٰ رضا مہاجر تھے (ایضاً، ص۴۰۸)۔

۳۹) یہ نقشے ناپ تول، پیمانہ پیمائش اور فنی و تکنیکی اعتبار سے جدید دور کے معیار کے تو نہیں ہیں لیکن جس زمانہ میں پیش کیے گئے اس لحاظ سے درست، معیاری اور بہترین تھے۔

۴۰) حمیداللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص۴۶-۴۷۔ حوالوں کو قوسین میں درج کردیا گیا ہے۔

۴۱) ایضاً، ص۹۸-۹۹۔

۴۲) ایضاً، ص۸۳-۸۴۔

۴۳) ملاحظہ ہو: ایضاً، ''پیش لفظ''، ص۳۔

۴۴) ایضاً۔

۴۵) دیکھیے: ''پیش لفظ''، طبع ثانی (مکتبۂ ابراہیمیہ)، ص۱۔

۴۶) ایضاً، ص۲۔

۴۷) ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمود احمد، غازی، ''ڈاکٹر حمیداللہ کی سیرت نگاری: چند پہلو'' ۔ششماہی السیرۃ عالمی (کراچی)، شمارہ بابت ۱۰رمضان ۱۴۲۴ھ/ اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص۳۲۵۔

۴۸) ایضاً، ص۳۲۶۔ علومِ اسلامیہ میں ڈاکٹر حمیداللہ کی خدمات'' کے ضمن میں غازی صاحب ان کی ۱۶۵ سے

زائد کتب اور تقریباً ایک ہزار تحقیقی مقالات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد، غازی، "علوم اسلامیہ میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی خدمات: عمومی جائزہ"، فکر و نظر (ڈاکٹر حمیداللہ نمبر)، ص۸۱۔ فکر و نظر کی اسی خصوصی اشاعت میں ڈاکٹر صاحب کے مطبوعات و مقالات کی جو فہرست (ص۵۹۵-۶۱۳) دی گئی ہے، اور جو یقیناً مکمل نہیں ہے، اس کے مطابق کتاب اور کتابچوں کی کل تعداد (۵۸) دکھائی گئی ہے، جبکہ کل مقالات ۲۱۷ مذکور ہیں۔

۴۹) فرانسیسی میں سیرت میں ڈاکٹر صاحب کی اس شاہکار تصنیف کو عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی کا ہی تکملہ اور اُس کے افق کا ماہِ تمام کہہ دیا جائے تو خلافِ حقیقت نہ ہوگا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی کے طبع ثالث کے پیش لفظ میں خود یہ فرمارہے ہیں کہ: "ناظرین سے یہ عرض کردوں کہ اس اثناء ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں، میں نے فرانسیسی میں سیرۃ نبویہ پر دو ضخیم جلدوں میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کی جلد دوم ایک معنی میں زیرِ نظر اردو تالیف ہی کا نیا ایڈیشن تھا...... اس میں وہ ابواب بھی آچکے ہیں جن کا موجودہ اردو کتاب کے "پیش لفظ طبع ثانی" میں تجویز اور تمنا کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، مثلاً نظامِ مالیہ، نظامِ عسکریہ وغیرہ" (ص۸)۔

۵۰) غازی، "علومِ اسلامیہ میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی خدمات"، ص۸۷۔

۵۱) ایضاً

۵۲) شبلی، سیرۃ النبی، ج۱ (مقدمہ)۔

۵۳) حافظ محمد سجاد "ڈاکٹر محمد حمیداللہ اور ماہنامہ معارف"، (فکر و نظر-ڈاکٹر حمیداللہ نمبر)، ص۳۸۰۔

۵۴) ایضاً، ص۳۸۰-۳۸۱۔

۵۵) دیکھیے: حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی، ص۱۳۔

۵۶) ایضاً، ص۱۳-۱۴۔

۵۷) ایضاً، ص۱۹۹۔

۵۸) ایضاً، ص۱۹۹-۲۰۰۔